شورش کاشمیری رحمہ اللہ

شاہ جی کا چہرہ

شاہ جی ان لوگوں میں سے ہیں، جن کی زندگی ماضی میں بسر ہوتی ہے اور جو اپنی متنوع زندگی کے باعث مجموعۂ اضداد ہوتے ہیں۔ ان شخصیتوں کا صحیح تاثر ان کے قرب ہی سے مرتب ہوتا ہے۔

شاہ جی کے چہرے مہرے سے عنان خیال معاً ان یونانی فلسفیوں کی طرف مُڑ جاتی ہے جن کے فکر و نظر کی بہت سی راہیں صدیوں کی شب کاری کے باوجود روشن چلی آتی ہیں اور جن کے تصویری پیراہن، ان شہ دماغوں کی یاد دلاتے ہیں جن کی صورتوں سے ایک ساحرانہ شکوہ کا اظہار ہوتا ہے۔ شاہ جی کا نک سک قرون وسطیٰ کے ان حکماء و فقہا اور علماء و خطبا سے مشابہ تھا جو طلوع تاریخ سے پہلے یونان و روما میں اور طلوع تاریخ کے بعد بغداد و دہلی میں پائے جاتے تھے۔

اتفاق کہئے کہ بعض داعی شخصیتیں آپس میں ایک گونہ مماثلت ضرور رکھتی ہیں، مثلاً فیثا غورث، کارل مارکس، رابندر ناتھ ٹیگور اور شاہ جی میں فکر و نظر، عقیدہ و ایمان اور علم و عمل کی کوئی راہ بھی مشترک نہ تھی لیکن کچھ ایسا بانکپن ضرور تھا کہ ان کا چہرہ مہرہ ہر صفاتی بُعد کے باوجود ایک سا تھا۔ بہرحال یہ ایک شاعرانہ چیز ہے ان بڑوں کی زندگی ایک خاص طرز رکھتی ہے۔ جس سانچے میں بھی ڈھلیں ہمیشہ اُبھرے ہوئے ملیں گے۔ یہ کسی کے نقشِ پا نہیں ڈھونڈھتے بلکہ لوگ ان کے نقشِ پا کی تلاش میں رہتے ہیں۔

شاہ جی کی زندگی جس نہج پر استوار ہوئی اس میں ادب و سیاست کا ایک رومانی امتزاج تھا، ظاہر ہے کہ ایک رومانی زندگی کھُلی کتاب ہوتی ہے۔ اس میں سرے سے ادق عبارتیں ہوتی ہی نہیں، ایسا شخص جذبات پر جیتا اور جذبات پر مرتا ہے۔ اس میں احساس کی شدّت اور استغنا کی شرافت تاحد کمال ہوتی ہے۔ اس کو اس سے غرض نہیں ہوتی کہ اس کے بارے میں کون کیا سوچتا ہے اس کی ذات ہی اس کا پیمانہ ہے۔ وہ گرد و پیش سے متاثر ہوتا اور چاہتا ہے کہ گرد و پیش اس سے متاثر ہوں۔ اس کی روح اس وقت معراج پر ہوتی ہے جب وہ عام چہروں میں اپنا ہی عکس دیکھتا ہے۔

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

مجھے خوشی ہے کہ میں نے شاہ جی کے ساتھ اپنی زندگی کا ایک حصہ بسر کیا ہے ان کی شخصیت ان یونانی فلسفیوں سے ملتی جلتی ہے جن کی تصویریں عجائب خانوں میں عہد عتیق کے انسانی خدوخال پر روشنی ڈالتی ہیں۔

ایک امریکی فلم پروڈیوسر نے ان کی تصویر دیکھ کر کہا تھا۔ ہالی وڈ کے فلم سازوں کو مسیح مقدس کی تصویر کے لئے اس سے بہتر چہرہ نہیں مل سکتا۔

ان کی شخصیت کا سراپا ہندوستانی مسلمانوں کا شاندار ماضی ہے وہ کچھ بھی ہیں ماضی ہی کی گونج ہیں

ہندوستان میں عوامی خطابت کے اعتبار سے اردو زبان نے آج تک اتنا بڑا خطیب پیدا نہیں کیا۔ وہ کہا کرتے ہیں میں لوگوں کی نگاہ سے مضامین چنتا ہوں۔ انہیں دیس دیس کی بولی آتی ہے وہ مقامی بولیوں میں بھی اسی ٹھاٹھ سے تقریر کر سکتے ہیں جو ان کی مابہ الامتیاز خصوصیت ہے انہیں کمال ہے کہ وہ مجمع کی رنگا رنگی کو اکائی میں تبدیل کر لیتے ہیں انہیں ہزاروں شعر ان گنت ضرب الامثال بے شمار محاورے اور سینکڑوں تمثیلات زبانی یاد ہیں وہ ایک عظیم خطیب ایک عظیم انسان اور ایک عظیم بذلہ سنج ہیں ان تینوں کو یکجا کریں تو سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا ہیولیٰ تیار ہوتا ہے۔

وہ راس کماری سے لے کر سری نگر تک اور خیبر سے لے کر کلکتہ تک شعلے بکھیرتے پھرے ہیں انہوں نے ایک وقت میں دس دس گھنٹہ تک لوگوں کو اپنی طاقت لسانی سے مسحور کئے رکھا اور کئی بار چارپائی پر لیٹ کر تقریر کی ہے (علالت کے باعث) وہ کسی نامور مدرسہ کے فارغ التحصیل نہیں لیکن ان کے ہاتھ پر علامہ انور شاہ نور اللہ مرقدہ بیعت ہو چکے ہیں اور بڑی بڑی فضیلتوں نے انہیں خراج ادا کیا ہے

ان کی دل پسند چیزیں دو ہیں آواز خوش اور چہرہ خوش ان کی چال حدی خوانوں کی سی ہے اور ان کا چلن ہر عیب سے خالی وہ سونا نہیں کندن ہیں۔

دراز قامت، دوہرا بدن، گول چہرہ، سفید داڑھی، ظالم آنکھیں، طوفانی لہجہ، کوندے تو بجلی، کڑکے تو بادل، اٹھے تو آندھی۔

دوستوں کے دوست بلکہ جگری دوست، دشمنوں کے شریف دشمن، لیکن مدت کے بچھڑے ہوئے بغلگیر ہوں تو۔ شہید گنج کا ملبہ بھی بھول جاتے ہیں۔ الغرض وہ سمجھنے کی نہیں، پیار کرنے کی چیز ہیں۔